تراجم: (کہانی)

گیہوں کے دانے

(ترجمہ: ہندی سے اردو)

مصنف: رمیش پوکھریال نشنک

مترجم: محمد نہال افروز

پچھلے چار دنوں سے آسمان ایسے برس رہا تھا جیسے اس میں کئی سراخ ہو گئے ہوں۔ شہر کی کچی بستیاں تو کیا پکی سڑکیں بھی پانی سے لبالب بھر گئی تھیں۔ دوپہیا گاڑیاں اور چھوٹی کاریں جہاں پوری طرح پانی میں ڈوب گئی تھیں وہیں بسیں اور ٹرکیں پانی میں آدھی آدھی ڈوبی ہوئی تھیں۔ نوکری پیشہ لوگ غیر معینہ چھٹی پر تھے تو بچے اب اس چھٹی سے اُوب گئے تھے۔ وہ تو گھر میں قید ہو کر رہ گئے تھے۔ لوگ بار بار آسمان کی طرف تاک رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ یہ بارش کب بند ہوگی؟

بارش ہو رہی تھی تو سب کچھ بند تھا۔ نہ دودھ کی سپلائی ہو رہی تھی اور نہ ہی سبزی کی۔ اعلیٰ اور متوسط طبقے کے لوگوں پر تو اس بندی کا بہت زیادہ اثر نہیں پڑا۔ اتنا ضرور ہوا کہ چار دن سے وہی آلو، پیاز اور دالیں کھا کر اُوب گئے تھے۔

لیکن ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو روز کنواں کھودتا اور پانی پیتا۔ یہ وہ لوگ تھے جو دِہاڑی مزدوری کرتے تھے اور اسی سے ان کا چولہا جلتا تھا۔ جھگی جھونپڑی میں رہتے تھے اور کسی طرح اپنا گزارا کرتے تھے، لیکن اس بار بارش نے تو ان جھگیوں کو پوری طرح تباہ کر دیا تھا۔ ان جھگیوں سے بکھرا ہوا سامان جگہ جگہ تیر رہا تھا۔ یہاں کے باشندوں نے بڑی مشکل سے کسی محفوظ جگہ پر پناہ گزیں ہوئے تھے۔

حالات کو دیکھتے ہوئے دو دن بعد جنگ لگی سرکاری مشینیں بھی صاف کر کے کام میں لگا دی گئیں۔تب تک بچے تو بچے بڑے بھی بھوک سے بلبلانے لگے تھے۔

انہیں میں ایک خاندان 'وینا یک' کا تھا۔چار سال پہلے اڑیسہ کے 'کالا ہانڈی' علاقے سے مع اہل وعیال شہر آئے تھے۔اہل خانہ میں اس کی بیوی اور تین بچے تھے،جن کی عمر میں ایک ڈیڑھ سال کا فرق رہا ہوگا۔سب سے بڑا بیٹا آٹھ سال کا،دوسری بیٹی سات سال کی اور چھوٹا بیٹا پانچ سال کا رہا ہوگا۔چار سال پہلے وہ شہر آئے تھے،تب چھوٹا بیٹا گود میں تھا۔عدم غذائیت اور کمزوری کی وجہ سے ڈیڑھ دو سال کی عمر تک وہ زمین پر پیر بھی ٹکا نہیں پایا تھا،لیکن اب تو ایسے دوڑتا ہے کہ ماں پکڑ بھی نہیں پاتی ہے۔

وینا یک کا اہل خانہ گاؤں ہی سے اتنی غریبی اور بھوک مری دیکھا تھا کہ دو دن کے فاقے سے ان پر کوئی اثر نہیں پڑا۔چار دن بعد جب پانی دھیرے دھیرے اترنا شروع ہوا تو لوگ اپنے اپنے گھروں کی طرف آنے لگے۔جھگیاں تو ساری ملبے میں تبدیل ہو چکی تھیں،لیکن ملبے کے اس ڈھیر میں ابھی بھی گھروں کی کچھ نشانیاں باقی تھیں۔اہل خانہ کے سبھی لوگ مل جل کر ملبے کے اس دلدل میں زندگی گزارنے لائق جگہ ڈھونڈ رہے تھے۔کون سامان کس کا ہے اس سے کوئی لینا دینا نہیں،جو جس کے ہاتھ لگ گیا اس کا ہو گیا۔

وینا یک اور اس کی گھر والی بھی کچھ ٹوٹے پھوٹے برتن،کیچڑ سے سنے کپڑے،ٹوٹی پھوٹی چارپائیاں وغیر بٹور لانے میں کامیاب ہوئے۔

دھیرے دھیرے پانی سوکھ گیا اور اسی جگہ پر ایک بار پھر جھگیاں بن گئیں۔زندگیاں آباد ہو گئیں۔ایک دو دن حکومت نے بھی خبر لی۔کچھ بریڈ اور بسکٹ کھلا کر بھوکوں کی بھوک مٹانے کی کوشش کی۔کھانے کے ان پیکٹوں پر لوگ چیل کی مانند جھپٹ پڑتے تھے۔ایک ہی پیکٹ کے لیے کئی لوگوں کے بیچ چھینا جھپٹی ہوتی اور آخر میں جس کے ہاتھ وہ پیکٹ لگ جاتا وہی قسمت والا ہوتا۔وینا یک کو اپنی تو فکر نہیں تھی،لیکن بچوں کو بھوک سے بلبلاتے دیکھ کر اس کا دل پھٹ

جاتا۔ان کے لیے کسی طرح وہ کھانے کا انتظام کر رتا تھا۔ بچوں کا پیٹ بھرنے کے بعد جو کچھ بچ جاتا اس سے دونوں میاں بیوی اپنی بھوک مٹا لیتے تھے۔

مفت کا کھانا اور اس کے لیے اتنی دھاچوکڑی دیکھ کر کچھ مقامی چھٹ بھیوں نے بھی اپنی دکانیں سجا لی تھیں۔ قطار میں لگ کر کھانا لینے کے طریقے سے سب کو تھوڑا بہت تو مل ہی جاتا تھا، لیکن اس کا ایک بہت بڑا حصہ ان کی جیبوں میں بھی جا رہا تھا۔کل ملا کر ان دنوں بستی میں میلے جیسا ماحول رہتا تھا۔

مفت میں کھانا بانٹنا بند ہوا تو میلا بھی ختم ہو گیا۔ سبھی لوگ ایک بار پھر سے روزی روٹی کی تلاش میں جٹ گئے۔

اس بار کی بارش سے نقصان بھی بہت ہوا اور بازار میں کام کی کمی بھی ہو گئی تھی۔ بستی میں رہنے والے کچھ لوگ آڑھتیوں کے یہاں مزدوری کرتے تو کچھ وہیں بڑی عمارتیں بنانے والے ٹھیکے داروں کے ساتھ کام کرتے تھے، لیکن بہت زیادہ بارش ہونے کی وجہ سے بلڈنگ بنانے کا کام رک گیا تھا۔اس کے دوبارہ شروع ہونے کے آثار تبھی تھے جب کچھ دنوں تک لگاتار دھوپ رہتی۔

ان عمارتوں میں کام کرنے والے مزدور آج کل روزی کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہے تھے۔ وینا یک بھی انہیں میں شامل تھا۔ کبھی کہیں دہاڑی کی تلاش میں بھٹکتا تو کبھی کہیں۔

کہیں کچھ گھنٹوں کا کام مل جاتا تو کہیں پورے دن کا بھی کام ہوتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ پورے دن کہیں کام ہی نہیں ملتا۔ چولہا جلانے کے انتظار میں وینا یک کی بیوی اس کی راہ تاکتی رہتی۔اب تو وہ اس کے چہرے سے پہچاننے لگی تھی کہ کام ملا یا نہیں۔

کھانا نہیں ملتا تو بچے روتے۔ وینا یک بھی جھنجھلاتا اور اس کی گھر والی بھی۔ بچوں کو مار پڑتی۔ بعد میں دونوں پچھتاتے کہ آخر بچوں کی غلطی کیا تھی، لیکن سب جانتے سمجھتے ہوئے بھی یہ ہر تیسرے دن کا تماشہ بن چکا تھا۔

نکڑ کا لالہ بھی اب اُدھار نہیں دیتا تھا۔ ابھی تو وینا یک پہلے کا اُدھار بھی ادا نہیں کر پایا

تھا۔ مہینے کا راشن لالہ سے بندھا ہوا تھا، جس کی ادائیگی وینا یک اگلے مہینے میں کرتا تھا، لیکن اب بے روزگاری کے چلتے لالہ بھی جوکھم اٹھانے کے لیے تیار نہیں تھا۔

بستی ہی کی کچھ عورتیں کوڑا بننے کا کام کرتی تھیں۔ وینا یک کی گھر والی بھی بچوں کو گھر میں چھوڑ کر یہی کام کرنے لگی۔ کبھی کبھی تو کوڑے میں اسے بہت اچھی اچھی چیزیں مل جاتی تھیں۔ اسے تعجب ہوتا کہ یہ امیر لوگ ایسی قیمتی اور ضرورت کی چیزوں کو ایسے ہی کوڑے میں کیسے پھینک دیتے ہیں؟ اسے کیا پتہ تھا کہ جو چیزیں اس کے جیسے لوگوں کے لیے بہت قیمتی تھیں وہی ان بڑے گھروں میں رہنے والوں کے لیے پھینکنے کے لائق ہوتی تھیں۔

وینا یک کی گھر والی گھر سے باہر نکلتی تو بچوں کے لیے ایک وقت کے کھانے کا انتظام تو ہو جاتا، لیکن صورت حال اس وقت خراب ہوتی جس دن وینا یک کو پورے دن کے لیے کام نہیں ملتا اور اس کی گھر والی کما کر لاتی تھی۔ آدمی کا انا یہ بالکل بھی برداشت نہیں کر پاتا کہ اس کی بیوی گھر کے سبھی لوگوں کے ساتھ ساتھ اس کے پیٹ بھرنے کا بھی انتظام کر رہی ہے۔

اب بچے تو بچ جاتے مگر اسی جھنجھلاہٹ میں وینا یک اپنی گھر والی کو بری طرح پیٹ ڈالتا، لیکن اسے بھی بھگوان نے نہ جانے کتنی برداشت کرنے کی طاقت عطا کی تھی کہ چپ چاپ مار کھا لیتی مگر چوں تک نہیں کرتی تھی۔ رات میں روئی کی طرح دُھنی گئی وینا یک کی گھر والی صبح اٹھتے ہی ایسے کام پر لگ جاتی جیسے رات کو کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ایسے مہینے دو مہینے گزر گئے۔ موسم بھی اب ٹھیک ہو گیا تھا اور بازر میں تیزی بھی آنے لگی تھی۔ ایسے ہی میں پڑوسی 'رام دین' نے وینا یک کو اناج کے ایک آڑھتی کے یہاں کام دلوا دیا۔

آڑھتی کے کئی گودام تھے۔ شہر میں کئی جگہوں پر اس کا کام پھیلا ہوا تھا۔ اناج ایک گودام سے دوسرے گودام میں لے جانے اور دوسری جگہ سپلائی کرنے کے لیے اس کو مزدوروں کی مسلسل ضرورت پڑتی رہتی تھی۔

پہلے پہل سیٹھ کے گودام میں بھرے ہوئے اناج کو دیکھ کر وینا یک کی آنکھیں چندھیا

گئی تھیں۔اس کے لیے تو یہ بھنڈار سونے چاندی کے بھنڈار سے بھی زیادہ قیمتی تھا۔اناج کے ان بڑے گوداموں کو دیکھ کر یکا یک اسے دانے دانے کو ترستے بستی کے لوگ یاد آ گئے۔

وینا یک کی خواہش اب سب سے پہلے گھر والی کا کام جھڑانے کی ہوئی۔

''جب سے دو پیسے کمانے لگی ہے دماغ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا ہے۔میم صاب سمجھنے لگی ہے اپنے آپ کو۔'' سوچتے ہوئے وینا یک کا من ہوا کہ ابھی تک جو گھر والی کی کمائی سے کھایا ہے اسے الٹ دے،لیکن ایسا نہیں کر پایا۔

لالہ ایک ہفتے سے پہلے تنخواہ نہیں دیتا۔روز روز کا حساب اس سے نہیں ہوتا تھا۔اب تو وینا یک کے سامنے یہ ایک نیا مسئلہ ہو گیا۔طیش میں آ کر اگلے ہی دن گھر والی کو کام نہ کرنے کے لیے کہہ آیا۔روز روز کی کچ کچ سے تنگ آ کر اس نے بھی نہ کوئی بحث کی اور نہ ہی کسی طرح کا رونا رویا بلکہ اگلے ہی دن سے کام پر جانا بند کر دیا۔

''تھوڑا سا گیہوں چاول لے جا،کس کو پتہ نہیں لگے گا،اس سمندر میں سے دو چار بوند نکال بھی لیا تو؟ باقی لوگ بھی یہی کرتے ہیں یہاں۔'' رام دین نے وینا یک کو سمجھایا۔

''لیکن یہ چوری ہے۔'' وینا یک نے کہا۔اس کا من اس کے لیے تیار نہیں تھا۔جب گھر میں اناج کا ایک دانا بھی نہیں تھا،بچے بھوک سے بلبلا رہے تھے۔یہ خیال تو تب بھی اس کے دماغ میں کبھی نہیں آیا تھا۔

''بچے بھوکے مریں تو اس کا پاپ نہیں لگے گا تجھے؟ وہ تو چوری سے بھی بڑا پاپ ہے اور تو کیا سمجھتا ہے لالہ نے یہ سب محنت اور ایمانداری سے کمایا ہے۔وہ بھی بہت بڑا چور ہے۔پھر چور کے گھر چوری کرنے میں پاپ کیسا؟'' رام دین نے اسے گناہ اور ثواب کا ایک نیا مطلب سمجھا دیا،لیکن وینا یک کو سمجھ میں نہیں آیا۔

''اچھا سن صرف پانچ چھ دن ہی کی تو بات ہے اس کے بعد کبھی مت کرنا ایسا۔''

رام دین کی یہ بات وینا یک کو سمجھ میں آ گئی۔صرف پانچ دن،اس کے بعد کبھی نہیں۔

جس دن پہلے پہل اس نے دو مٹھی اناج گودام سے اٹھایا اس کی سانس دھوکنی کی طرح چل رہی تھی۔ چہرہ تمتمایا ہوا، ماتھے پر پسینے کی بوندیں، اس کی تو حالت ہی عجیب تھی۔

''ہے بھگوان! بس صرف کچھ دن۔'' اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر بھگوان سے معافی مانگی۔ اناج گھر لے گیا، لیکن ایک نوالہ بھی گلے کے نیچے نہیں اتارا۔

پہلی تنخواہ ملی تو اس نے چین کی سانس لی اور کبھی غلط کام نہ کرنے کی قسم کھائی۔ زندگی کی گاڑی چل نکلی تھی۔

وینا یک کی ڈیوٹی کبھی ایک گودام میں ہوتی تو کبھی دوسرے میں۔ جتنے زیادہ اناج سے بھرے گودام دیکھتا، وینا یک اتنا ہی سوچ میں پڑ جاتا۔ ''اتنا اناج ہونے پر بھی لوگ بھوکے کیوں رہتے ہیں؟'' وہ سوچتا، لیکن جواب نہیں پاتا۔

ایک دن منیم نے وینا یک کو دوسرے مزدوروں کے ساتھ شہر سے بیس کلومیٹر دور دوسرے گودام میں بھیج دیا۔ وہاں کا گیہوں ٹرک میں لاد کر کہیں لے جانا تھا۔

وہاں جا کر وینا یک کا سامنا ایک دوسرے سچ سے ہوا۔ وہ سچ بہت کڑوا تھا۔ بہت درد ناک تھا، لیکن سب کو اسی سچ میں جینا تھا۔ اس سچ میں جسے وینا یک اپنے دل میں ہضم نہیں کر پا رہا تھا۔

لالہ کے اس بڑے سے گودام میں بارش کے موسم میں جگہ جگہ سے پانی رس گیا تھا۔ کہیں سے پانی نالی سے بہہ کر گودام کے اندر آ گیا تھا۔ گیہوں کی بوریوں سے بھرے اس گودام کا اناج پانی کے گرنے اور اس کے بعد گودام کے تین چار مہینے بند رہنے سے سڑ گیا تھا۔ پورے گودام میں سڑے ہوئے گیہوں کی عجیب سی گند آ رہی تھی۔

گیہوں ٹرک میں لدر ہا تھا۔ کچھ بوریاں سڑ کر پھٹ گئی تھیں۔ انہیں کسی طرح سل سلا کر ٹرک میں لادا گیا۔ وینا یک پریشان تھا، بہت پریشان۔ اسے اپنا کالا ہانڈی گاؤں یاد آ گیا۔ بھوک سے بلبلاتے بچے یاد آ گئے۔ کنکال میں بدل چکے جسم یاد آ گئے۔ باڑھ اور سوکھے کے وقت کھانے

کے پیکٹوں پر ٹوٹ پڑتے کتوں کی طرح جینے والے انسان یاد آ گئے۔ کیا لالہ نے یا اس کے کارندوں نے کبھی ایسے لوگوں کو نہیں دیکھا ہوگا؟ تبھی تو انہیں اناج کی بربادی کا دکھ نہیں ہوتا، تکلیف نہیں ہوتی۔

وینا یک نے رام دین سے دل کی بات کہی، لیکن اس کے دل کو سکون نہیں ملا۔

''تو اپنے کام سے کام رکھ۔ ان بڑے لوگوں کو نہیں جانتا تو۔'' رام دین نے اسے چپ کرایا۔ اوپر سے وینا یک چپ تھا، لیکن ساری رات اسے نیند نہیں آئی۔

''اتنا سارا گیہوں سڑا دیا، کیسے؟ اور اب اس سڑے ہوئے گیہوں کو بھیج کہاں رہے ہوں گے؟ یہ تو اب کسی کے کھانے لائق بھی نہیں ہے۔'' من میں سوال اٹھا تو اگلے دن رام دین سے پوچھ ہی لیا۔

''ارے تجھے کیا؟ جہاں لالہ کا من ہوگا وہاں بھیجیں گے۔ تو کیوں پریشان ہوتا ہے؟''

رام دین کے پاس نہ تو اس بات کا کوئی جواب تھا اور نہ ہی وہ جاننا چاہتا تھا۔

لیکن دُھن کے پکے وینا یک نے آخر پتہ لگا ہی لیا۔

گیہوں سڑ گیا تھا اور اب کھانے لائق نہیں تھا۔ اس لیے خبر یہ آ رہی تھی کہ اسے غریبوں میں مفت بانٹ دیا جائے گا۔ مگر لالہ اس سے بھی کمائی کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے حکم ملنے سے پہلے خاموشی سے اس نے شراب کی ایک فیکٹری میں بات کر لی۔ وہ اس کا سڑا ہوا گیہوں خریدنے کے لیے تیار تھی۔ اس سڑے ہوئے گیہوں کی شراب بنے گی۔

وینا یک کے سامنے ایک اور ننگا سچ کھڑا تھا۔ امیروں کے نہ کھانے لائق جس گیہوں کو سرکار غریبوں میں بانٹنے جا رہی تھی اس سے اب شراب بنے گی۔ سڑا ہوا گیہوں بھی امیروں کے ہی کام آئے گا۔ غریب پھر بھوکے ہی رہیں گے۔

وینا یک زور سے ہنس پڑا۔ اس کا قہقہہ سن کر سب لوگ چونک گئے۔ سب نے ایک ساتھ اس کی طرف دیکھا، لیکن اس پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ وہ کچھ دیر ہنستا رہا پھر اچانک رونے لگا۔

روتے روتے اس کی آنکھیں سرخ ہوگئیں۔ غصے میں آ کر وہ منیم کی طرف دوڑا۔اس کا گلا پکڑ لیا۔

''اناج کی بربادی کرتے ہو۔سڑا دیا سب کچھ اور اب اس سے شراب بناؤ گے۔لوگوں کو بھوک سے مرتے دیکھا ہے تم نے کبھی؟ انن دیوتا کا اپمان کرتے ہو۔ پاپ لگے گا تمہیں۔'' کہتے ہوئے وینا یک نے منیم کا گلا دبانے کی کوشش کی۔ایسا کرنے میں اس کی نسیں تن گئیں۔

منیم چلایا تو مزدوروں نے جا کر وینا یک کو دور ہٹایا،لیکن وینا یک بار بار ان کی پکڑ سے چھوٹتا اور منیم کا گلا پکڑ لیتا۔

پولیس آئی۔مارتے مارتے وینا یک کو اپنے ساتھ لے گئی۔وینا یک مار کھاتا اور انن دیوتا کے اپمان کی بات کرتا۔

تین چار دن وینا یک جیل میں رہا۔چھوٹ کر آیا تو دماغی توازن کھو چکا تھا۔کسی نے کہا پولیس نے اسے بہت مارا ہے اس لیے وینا یک پاگل ہو گیا۔مگر یہ تو وینا یک ہی جانتا تھا کہ کس چوٹ نے اسے پاگل کیا ہے۔

لوگوں نے دبی زبان میں کہا کہ مار کھاتے ہوئے وینا یک کی دونوں مٹھّیاں بند تھی۔ جب مار کھا کھا کر بے ہوش ہو گیا تبھی مٹھّیاں کھل پائی اور ان میں گودام کا سڑا ہوا گیہوں بند تھا۔

اس واقعے کو ہوئے کئی دن گزر چکے تھے۔وینا یک اب پوری طرح پاگل ہو چکا تھا۔ لوگوں سے کہتا تھا کہ حکومت اب غریبوں کو اناج کے بدلے شراب پلائے گی۔لوگ ہنستے تھے۔اس کا مذاق بناتے تھے،مگر وینا یک کی بات کا راز رام دین جیسے ایک دو لوگ ہی سمجھ پاتے ہیں۔ وینا یک کی گھر والی نے پھر سے کوڑا بننے کا کام شروع کر دیا تھا۔ساتھ ہی وہ ایک دو گھروں میں بھی کام کرنے لگی تھی۔

سڑے ہوئے اناج پر جگہ جگہ بحث چل رہی تھی،کبھی نہ ختم ہونے والی بحث۔

☆☆☆